مولانا محمد تقی عثمانی

آہ حضرت بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ!

بقیۃ السلف، استاذ العلماء، شیخ الحدیث حضرت علامہ سید محمد یوسف بنوری (رحمۃ اللہ علیہ) بھی راہی آخرت ہوگئے۔ گذشتہ شمارے میں ان کے حادثہ وفات کی اطلاع کے ساتھ ان پر قدرے تفصیل کے ساتھ لکھنے کا وعدہ کرچکا ہوں، لیکن آج جبکہ اس موضوع پر قلم اٹھانا چاہتا ہوں تو یادوں کا ایک طویل سلسلہ قلب وذہن میں اس طرح مجتمع ہے کہ ابتداء کرنے کے لئے سرا ہاتھ نہیں آتا۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ایسی دل نواز، ایسی حیات افروز، ایسی باغ وبہار اور ایسی بھاری بھرکم شخصیت تھی کہ اس کی خصوصیات کا ایک مختصر مضمون میں سمانا مشکل ہے۔ ان کی ذات اپنے شیخ حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیری قدس سرہ کی مجسم یادگار تھی۔ علم حدیث تو خیر ان کا خاص موضوع تھا، جس میں اس وقت ان کا ثانی ملنا مشکل تھا، لیکن اپنے شیخ کی طرح وہ ہر علم وفن میں معلومات کا خزانہ تھے۔ ان کی قوتِ حافظہ، ان کی وسعتِ مطالعہ، ان کا ذوقِ کتب بینی، ان کی عربی تقریر وتحریر، ان کا پاکیزہ شعری مذاق، اکابر واسلاف کے تذکروں سے ان کا شغف علماء دیوبند کے ٹھیٹھ مسلک پر تصلب کے ساتھ ان کی وسعتِ نظر اور رواداری، دین کے لئے ان کا جذبۂ اخلاص وللّٰہیت، انداز زندگی میں نفاست، سادگی اور بے تکلفی کا امتزاج، ان کا ذوق مہمان نوازی، ان کی باغ وبہار علمی مجلسیں، ان کے عالمانہ لطائف وظرائف، ان میں کون سی ایسی چیز ہے جسے بھلایا جاسکتا ہو۔

دنیا کا تجربہ شاہد ہے کہ محض کتابیں پڑھ لینے سے کسی کو علم کے حقیقی ثمرات حاصل نہیں ہوتے، بلکہ اس کے لئے ''پیش مردے کاملے پامال شو'' پر عمل کی ضرورت ہے۔ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے جو مقام بلند نصیب فرمایا، وہ ان کی ذہانت وذکاوت اور علمی استعداد سے زیادہ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری

رحمۃ اللہ علیہ کے فیضِ صحبت اور حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے فیضِ نظر کا نتیجہ تھا۔ انہوں نے تحصیل علم کے لئے کسی ایک مدرسے میں کتابیں پڑھ لینے اور ضابطہ کی سند حاصل کر لینے پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ اپنے اساتذہ کی خدمت وصحبت سے استفادہ کو اپنا نصب العین بنالیا۔ وہ ایک ایسے وقت دارالعلوم دیوبند پہنچے، جب وہاں امام العصر حضرت علامہ انورشاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علاوہ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، عارف باللہ حضرت مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا اعزاز علی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ جیسے آفتاب وماہتاب مصروفِ تدریس تھے۔ حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے تمام ہی اساتذہ کے منظورِ نظر رہے۔ لیکن امام العصر حضرت علامہ شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو جو خصوصی تعلق رہا، اس کی مثال شاید حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے تلامذہ میں نہ ملے۔ مولانا مرحوم نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت وصحبت کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیا تھا۔ چنانچہ وہ ایک عرصہ تک سفر وحضر میں اپنے شیخ کی نہ صرف معیت سے مستفید ہوتے رہے، بلکہ ان کی خدمت اور ان سے علمی وروحانی استفادے کی خاطر مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے نہ جانے کتنے مادی اور دنیوی مفادات کی قربانی دی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں جن غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا، ان کے پیشِ نظر اگر وہ چاہتے تو تحصلِ علم سے فراغت کے بعد نہایت خوش حال زندگی بسر کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اور علمی مذاق کی تسکین پر ہر دوسرے فائدے کو قربان کر دیا۔ اور یہ بات خود انہوں نے احقر کو سنائی تھی کہ ''جب میرا نکاح ہوا تو بدن کے ایک جوڑے کے سوا میری ملکیت میں کچھ نہ تھا''۔

علم ودین کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی یہ قربانیاں بالآخر رنگ لائیں۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نظرِ عنایت نے علمی رسوخ کے ساتھ ساتھ ان میں للّٰہیت اور اخلاصِ عمل کے فضائل کی آبیاری کی، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ دین کے خدام میں اللہ تعالیٰ نے انہیں مقبولیت، محبوبیت اور ہر دل عزیزی کا وہ مقام بخشا جو کم لوگوں کو نصیب ہوتا ہے۔ ان کے اساتذہ، ان کے ہم عصر اور ان کے چھوٹے، تقریباً سب ان کے علمی مقام اور ان کی للّٰہیت کے معترف رہے۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ جیسے مردم شناس بزرگ کی خدمت میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری تین چار مرتبہ سے زیادہ نہیں ہوئی، لیکن انہی تین چار ملاقاتوں کے بعد حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو اپنا مجازِ صحبت قرار دے دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اس دور میں علمی ودینی خدمات کے لئے نہ صرف چن لیا تھا، بلکہ ان کے کاموں میں غیر معمولی برکت عطا فرمائی تھی۔ ان کے علم وفضل کا سب سے بڑا شاہکار ان کی جامع

ترمذی کی شرح ''معارف السنن'' ہے جو تقریباً تین ہزار صفحات پر مشتمل ہے اور چھ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ چونکہ پچھلے سات سال سے دارالعلوم کراچی میں جامع ترمذی کا درس احقر کے سپرد ہے۔ اس لئے بفضلہٖ تعالیٰ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی اس کتاب کے مطالعے کا خوب موقع ملا۔ اور اگر میں یہ کہوں تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ احقر کو اس کتاب کا ایک ایک صفحہ پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔ لہٰذا اس میں بلاخوف تردید یہ کہہ سکتا ہوں کہ اگر حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے محدثانہ مذاق کی جھلک کسی کتاب میں دیکھی جاسکتی ہے تو وہ معارف السنن ہے۔ افسوس ہے کہ علم وفضل کا یہ خزانہ تشنۂ تکمیل رہے گا، اور کتاب الحج کے بعد اس کی تصنیف آگے نہ بڑھ سکی، احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نہ جانے کتنی بار مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے اس کی تکمیل کی طرف توجہ دینے کی خواہش ظاہر فرمائی، لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی مصروفیات اس قدر بڑھ چکی تھیں کہ وہ اس خواہش کو پورا نہ فرما سکے۔ اب اول تو اس کی تکمیل کی ہمت کون کرے؟ اور اگر کوئی کرے بھی تو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا وہ فیضان علمی اور حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا وہ اسلوب بیان کہاں سے لائے؟

اللہ تعالیٰ نے مولانا کو عربی تقریر وتحریر کا جو ملکہ عطا فرمایا تھا وہ اہل عجم میں شاذ ونادر ہی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ خاص طور سے ان کی عربی تحریریں اتنی بے ساختہ، سلیس، رواں اور شگفتہ ہیں کہ ان کے فقرے فقرے پر ذوق سلیم کو حظ ملتا ہے، اور ان میں قدیم وجدید اسالیب اس طرح جمع ہو کر یک جان ہو گئے ہیں کہ پڑھنے والا جزالت اور سلاست دونوں کا لطف ساتھ ساتھ محسوس کرتا ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی تحریروں میں اہل زبان کے محاورات، ضرب الامثال اور استعارے ایسی بے تکلفی کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں کہ بہت سے عربوں کی تحریروں میں بھی یہ بات نہیں ملتی۔ ''نفحة العنبر'' تو ایک طرح سے خالص ادبی تصنیف ہے۔ لیکن ''معارف السنن'' اور ''یتیمیة البیان'' جیسی ٹھوس علمی اور تحقیقی تصانیف میں بھی ادب کی چاشنی اس انداز سے رچی بسی ہوئی ہے کہ وہ نہایت دلچسپ اور شگفتہ کتابیں بن گئی ہیں۔

حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے حق کے معاملے میں غیرت وشدت کا خاص وصف عطا فرمایا تھا، وہ اپنی انفرادی زندگی اور عام برتاؤ میں جتنے نرم، خلیق اور شگفتہ تھے، باطل نظریات کے بارے میں اتنے ہی شمشیر برہنہ تھے، اور اس معاملہ میں نہ کسی مداہنت یا نرم گوشے کے روادار تھے، اور نہ مصالح کو اہمیت دیتے تھے۔ بعض اوقات ان کی کسی تحریر یا تقریر کے بارے میں یہ شبہہ گذرتا تھا کہ شاید یہ عام دینی مصالح کے خلاف ہو، لیکن چونکہ ان کے اقدامات کا محرک للّٰہیت اور اخلاص کے سوا کچھ نہ تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ ان کے اقدامات میں برکت عطا فرماتے، ان کے بہتر نتائج ظاہر ہوتے اور ''لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف'' کا عملی مشاہدہ ہوتا، چنانچہ باطل فرقوں اور نظریات کی تردید میں اللہ تعالیٰ نے مولانا سے بڑا کام لیا۔ انکار حدیث کا فتنہ ہو یا تجدد اور

قادیانیت کا، مولانا ہمیشہ ان کے تعاقب میں پیش پیش رہے، اس کے علاوہ جس کسی نے بھی قرآن وسنت کی تشریح میں جمہور امت سے الگ کوئی راستہ اختیار کیا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے یہ برداشت نہ ہوسکا کہ اس کے نظریات پر سکوت اختیار کیا جائے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو خاص طور سے اس بات کی بڑی فکر رہتی تھی کہ علمائے دیو بند کا مسلک کسی غلط نظریے سے ملتبس نہ ہونے پائے اور سیاسی سطح پر کسی شخص کے ساتھ علمائے دیو بند کے اتحاد وتعاون سے یہ مطلب نہ لے لیا جائے کہ علمائے دیو بند اس شخص کے نظریات کے ہم نوا ہیں۔

مثلاً: مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے آزادی ہند کے لئے جو جدوجہد کی' مقتدر علمائے دیو بند کی ایک جماعت نہ صرف اس کی مداح رہی' بلکہ ان کے ساتھ اتحاد وتعاون بھی کیا۔ اور خود مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس جہت سے ان کی بعض خوبیوں کے معترف تھے' لیکن اس سیاسی اشتراک کی بناء پر یہ خطرہ تھا کہ مولانا آزاد مرحوم نے جن مسائل میں جمہوریت سے الگ راستہ اختیار کیا ہے، انہیں علمائے دیو بند کی طرف منسوب نہ کیا جانے لگے۔ یا کم از کم علمائے دیو بند کی خاموشی کو ان نظریات کی تائید نہ سمجھ لیا جائے۔ اس لئے مولانا آزاد مرحوم کے ان نظریات کی علمی تردید کے لئے حضرت مولانا بنوری قدس سرہٗ نے ایک مفصل مقالہ لکھا، جس پر بعض لوگوں نے برا بھی منایا۔ لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اس معاملہ میں کسی ''لومة لائم'' کی پروا نہیں کی' مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقالہ ''مشکلات القرآن'' کے مقدمے میں شامل ہے جواب ''یتیمیة البیان'' کے نام سے الگ بھی شائع ہو چکا ہے۔

جماعت اسلامی کے حضرات سے اجتماعی معاملات میں مختلف مراحل میں مختلف علماء دیو بند کا اشتراک عمل جاری رہا۔ بائیس دستوری نکات کی ترتیب اور تحریک ختم نبوت وغیرہ خود مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے ساتھ مل کر کام کیا' لیکن جہاں تک مولانا مودودی صاحب کے نظریات کا تعلق ہے، مولانا نے ان پر مفصل تنقید فرمائی۔ اور حال ہی میں عربی زبان میں یکے بعد دیگرے تین کتابچے تحریر فرمائے، جن میں سے دو شائع ہو چکے ہیں، اور تیسرا زیر طبع ہے۔

غرض یہ مولانا کا خاص مزاج تھا کہ وہ جمہور علمائے سلف کے خلاف کسی نظریئے کو خاموشی سے برداشت نہ کر سکتے تھے۔ عام مجلسوں میں بھی ان کا یہی رنگ تھا کہ غلط بات پر بروقت تنقید کر کے حق گوئی کا فریضہ نقد ادا کر دیتے تھے۔ ۱۹۶۸ء میں جب ادارۂ تحقیقات اسلامی کی طرف سے ایک بین الاقوامی اسلامی کانفرنس منعقد ہوئی (جس کا اہتمام ادارۂ تحقیقات کے سابق ڈائریکٹر ڈاکٹر فضل الرحمٰن صاحب نے کیا تھا) تو اس کے پہلے ہی اجلاس میں ایک مقرر نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولیات کو غلط انداز میں پیش کر کے متجددین کے آزاد اجتہاد کے لئے گنجائش پیدا کرنی چاہی اور اس کے لئے انداز بھی ایسا اختیار کیا کہ جیسے قوت اجتہادیہ میں حضرت

عمرؓ کے اور ہمارے درمیان کوئی خاص فرق نہیں۔ اس محفل میں عالم اسلام کے معروف اور جید علماء موجود تھے۔ لیکن اس موقع پر اس بھرے مجمع میں جن صاحب کی آواز سب سے پہلے گونجی، وہ حضرت مولانا بنوریؒ تھے انہوں نے مقرر کی تقریر کے دوران ہی صدر محفل مفتی اعظم فلسطین مرحوم سے خطاب کر کے فرمایا:

''سیدی الرئیس! ارجوکم ان تلجموا هذا الخطیب، ارجوکم ان تلجموه، ماذا یقول؟''

جناب صدر! ان مقرر صاحب کو لگام دیجئے، براہ کرم ان کو لگام دیجئے، یہ کیا کہہ رہے ہیں؟

ان کے یہ بلیغ الفاظ آج بھی کانوں میں گونج رہے ہیں۔

مولانا کی رگ وپے میں اس بات کا یقین واعتقاد پیوست تھا کہ اکابر علماء دیوبند اس دور میں ماأنا علیه واصحابی کی عملی تفسیر تھی اور ان کا فہم دین اس دور میں خیر القرون کے مزاج ومذاق سے سب سے زیادہ قریب تھا، وہ چاہتے تھے کہ اکابر دیوبند کے افکار اور ان کے علمی ودینی کارناموں کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا جائے۔ چنانچہ جب مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک طویل عرصے کے لئے پہلی بار حجاز اور مصر وشام کے سفر پر تشریف لے گئے تو وہاں قیام کے مقاصد میں سے ایک بڑا مقصد یہ بھی تھا کہ علماء دیوبند کی خدمات اور ان کی علمی تحقیقات سے عالم عرب کو روشناس کرایا جائے' چنانچہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے علماء دیوبند اور ان کی علمی وعملی خدمات پر مفصل مضامین لکھے جو وہاں کے صف اول کے اخبارات ورسائل میں شائع ہوئے۔ اور ان کے ذریعے مصر وشام کے چوٹی کے علماء مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے قریب آ گئے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں مختلف صحبتوں میں اکابر دیوبند کے علوم سے متعارف کرایا اور کم از کم علماء کی حد تک مصر وشام مس علماء دیوبند کے کارنامے اجنبی نہیں رہے۔

اسی دوران ایک مشہور عربی رسالے کے دفتر میں مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات علامہ جوہر طنطاوی مرحوم سے ہوگئی' جن کی ''تفسیر الجواهر'' اپنی نوعیت کی منفرد تفسیر ہے۔ بعض لوگوں نے تو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر پر یہ فقرہ چست کیا ہے کہ ''فیه کل شيئ الا التفسیر'' (یعنی اس میں تفسیر کے سوا سب کچھ ہے) لیکن واقعہ یہ ہے کہ تفسیر کبیر کے بارے میں یہ جملہ بہت بڑا ظلم ہے۔ ہاں اگر موجودہ دور میں کسی کتاب پر یہ جملہ کسی درجے میں صادق آ سکتا ہے تو وہ علامہ طنطاوی مرحوم کی تفسیر الجواهر ہے اور واقعہ یہ ہے کہ یہ کتاب تفسیر کی نہیں، بلکہ سائنس کی کتاب ہے اور سائنس کی باتوں کو قرآن کریم سے ثابت کرنے کے شوق میں علامہ طنطاوی مرحوم نے بعض جگہ آیات قرآنی کی تفسیر میں ٹھوکریں بھی کھائی ہیں۔

علامہ طنطاوی مرحوم سے حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف ہوا تو انہوں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے میری تفسیر کا مطالعہ کیا ہے؟ مولانا نے فرمایا کہ:

''ہاں! اتنا مطالعہ کیا ہے کہ اس کی بنیاد پر کتاب کے بارے میں رائے قائم کرسکتا ہوں۔''

علامہ طنطاوی نے رائے پوچھی تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''آپ کی کتاب اس لحاظ سے تو علماء کے لئے احسان عظیم ہے کہ اس میں سائنس کی بے شمار معلومات عربی زبان میں جمع ہوگئی ہیں۔ سائنس کی کتابیں چونکہ عموماً انگریزی زبان میں ہوتی ہیں، اس لئے عموماً علمائے دین ان سے فائدہ نہیں اٹھاسکتے۔ آپ کی کتاب علماء دین کے لئے سائنسی معلومات حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، لیکن جہاں تک تفسیر قرآن کا تعلق ہے، اس سلسلے میں آپ کے طرز فکر سے مجھے اختلاف ہے۔ آپ کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ عصر حاضر کے سائنس دانوں کے نظریات کو کسی نہ کسی طرح قرآن کریم سے ثابت کردیا جائے۔ اور اس غرض کے لئے آپ بسا اوقات تفسیر کے مسلمہ اصولوں کی خلاف ورزی سے بھی دریغ نہیں کرتے، حالانکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ سائنس کے نظریات آئے دن بدلتے رہتے ہیں، آج آپ جس نظریے کو قرآن سے ثابت کرنا چاہتے ہیں، ہوسکتا ہے کہ کل وہ خود سائنس دانوں کے نزدیک غلط ثابت ہوجائیں، کیا اس صورت میں آپ کی تفسیر پڑھنے والا شخص یہ نہ سمجھ بیٹھے گا کہ قرآن کریم کی بات (معاذ اللہ) غلط ہوگئی''۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ایسے مؤثر اور دل نشین انداز میں بیان فرمائی کہ علامہ طنطاوی مرحوم بڑے متاثر ہوئے اور فرمایا:

''ایھا الشیخ! لست عالماًھندیا، وانما انت ملک انزلہ اللہ من السماء لا صلاحی''

ترجمہ:...(مولانا! آپ کوئی ہندوستانی عالم نہیں ہیں، بلکہ آپ کوئی فرشتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے میری اصلاح کے لئے نازل کیا ہے)

یہ واقعہ میں نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے بارہا سنا اور شاید ''بینات'' کے کسی شمارے میں بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے اسے نقل کیا ہے۔

احقر کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی محبت تھی اور ان کے اخلاص وللّٰہیت اور علمی وعملی صلاحیتوں کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ اگرچہ دارالعلوم کے جلسوں میں کئی بار مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے تقریر کے دوران فرمایا کہ: حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ میرے استاذ ہیں، اور میں نے مقامات حریری آپ ہی سے پڑھی ہے، لیکن حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے علمی وعملی کمالات کی بنا پر ان کا نہایت اکرام فرماتے تھے، چنانچہ یہ دونوں بزرگ علمی اور اجتماعی مسائل میں ایک دوسرے سے مشورے کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے تھے۔ ملاقاتیں اور مشورے تو پہلے بھی رہتے تھے، لیکن جب سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کراچی میں قیام پذیر ہوئے، اس وقت سے تو دونوں بزرگوں کے درمیان آمد ورفت بہت

بڑھ گئی تھی۔ اس وجہ سے ہم خدام کو گذشتہ بیس سال میں حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقعہ ملا ہے اور جتنا جتنا قرب بڑھتا گیا، اسی نسبت سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی محبت وعظمت اور عقیدت میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ جدید فقہی مسائل کی تحقیق کے لئے مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن اور دارالعلوم کراچی کے علماء پر مشتمل ایک ''مجلس تحقیق مسائل حاضرہ'' قائم فرمائی تھی، جس کا اجلاس ہر ماہ دارالعلوم کورنگی یا مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن میں منعقد ہوا کرتا تھا۔ یہ مجلس عام طور سے صبح کو شروع ہو کر شام تک جاری رہتی، بیچ میں کھانے اور نماز کا وقفہ ہوتا، پیچیدہ فقہی مسائل زیر بحث آتے، کتابوں کا اجتماعی طور سے مطالعہ ہوتا۔ تمام شرکاء مجلس اپنا اپنا نقطہ نظر آزادی سے پیش کرتے، ہم جیسے فرومایہ خدام بھی اپنے طالب علمانہ شبہات کھل کر پیش کرتے اور یہ بزرگ کمال شفقت کے ساتھ انہیں سنتے اور جب تک تمام شرکاء مطمئن نہ ہو جاتے، فیصلہ نہ ہوتا۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ دونوں کی طبیعت ان مجلسوں میں کھل جاتی تھی اور ہم خدام دونوں کے علمی افادات سے نہال ہو جاتے، اور پھر یہ مجلسیں خشک علمی مسائل تک محدود نہ تھیں، بلکہ دونوں بزرگوں کی شگفتہ مزاجی اور علمی وادبی مذاق نے ان مجلسوں کو ایسا باغ وبہار بنا دیا تھا کہ مجلس کا دن آنے سے پہلے ہی بڑے اشتیاق کے ساتھ اس کا انتظار رہتا تھا۔ علمی تحقیقات کے علاوہ یہ مجلسیں نہ جانے کتنے لطائف وظرائف اور دلچسپ وسبق آموز واقعات سے معمور ہوتی تھیں۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذہن اکابر علمائے دیوبند کے واقعات کا خزانہ تھا، اور کوئی بھی موضوع چھڑ جائے، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبند کے بزرگوں میں سے کبھی حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا، کبھی حضرت میاں صاحبؒ کا، کبھی حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا، کبھی حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا، اور کبھی کسی اور بزرگ کا کوئی واقعہ سنا دیتے اور مجلس کے لئے رہنمائی کا ایک نیا دروازہ کھل جاتا، حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا فرمایا کہ: مجھے تو حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کا شوق اس لئے لگتا ہے کہ ان کے پاس پہنچ کر اپنے بزرگوں کے نئے نئے واقعات سننے کو مل جاتے ہیں۔ ادھر حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے جو خصوصی صحبتیں رہیں، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے حالات بڑے ذوق وشوق سے باقاعدہ فرمائش کر کے سنا کرتے۔ اور سنانے والے حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ہوں یا حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ ہم خدام کے لئے تو ہر حال میں چاندی ہی چاندی تھی۔ اللہ اکبر، یہ پر کیف نورانی مجلسیں کس طرح دیکھتے ہی دیکھتے خواب وخیال ہو گئیں، حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان محفلوں میں اکثر اپنے اساتذہ کا ذکر فرما کر عجیب کیف کے عالم میں یہ مصرع پڑھا کرتے تھے کہ:

ایک محفل تھی فرشتوں کی جو برخاست ہوئی

کسے خبر تھی کہ چند ہی سالوں میں یہ محفلیں بھی برخاست ہونی والی ہیں۔

غرض علمی اور اجتماعی مسائل میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا اشتراک عمل ہم خدام کے لئے گوناں گوں فوائد کا دروازہ بن گیا۔ اکثر و بیشتر اجتماعی مسائل میں کوئی تحریر لکھی جاتی تو وہ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مشترکہ طور پر شائع ہوتی، اور اس کا مسودہ تیار کرنے کا مرحلہ آتا تو ہم خدام میں سے کسی کو اس کے لئے مامور کیا جاتا، اور بسا اوقات قرعہ فال احقر کے نام پڑتا' مسووے کو جب ان بزرگوں کے سامنے پیش کیا جاتا اور یہ حضرات اس کی عبارت میں کوئی اصلاح فرماتے تو اس سے نت نئے آداب وفوائد حاصل ہوتے تھے اور جب کسی تحریر پر ان حضرات کی طرف سے دعائیں ملتیں تو ایسا محسوس ہوتا کہ دنیا و مافیہا کی تمام نعمتیں دامن میں جمع ہوگئی ہیں۔

حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے کراچی کو پورے ملک میں علمی اور دینی اعتبار سے مرکزیت حاصل تھی، چنانچہ جب کوئی اجتماعی مسئلہ اٹھتا' اطراف ملک سے اہل علم کراچی کا رخ کرتے تھے۔ اس طرح ان حضرات کے طفیل ملک بھر کے اہل علم ودین سے نیاز حاصل ہوتا رہتا تھا۔ پچھلے سال جب حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کا حادثہ پیش آیا تو اس مرکزیت کا ایک زبردست ستون گر گیا۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ اس وقت سکھر میں تھے اور تقریباً سو میل کا سفر کر کے کراچی کے لئے طیارہ پکڑنا چاہا، لیکن سیٹ نہ مل سکی، اور نماز جنازہ اور تدفین میں شامل نہ ہو سکے، بعد میں جب تعزیت کے لئے تشریف لائے تو وہ بچوں کی طرح رو رہے تھے اور زبان پر بار بار بے اختیار یہ جملہ تھا کہ ''اب ہم مشورے کے لئے کہاں جائیں گے''؟ کسے معلوم تھا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ اضطراب صرف سال بھر کا ہے اور آئندہ اسی مہینے میں کراچی کی دینی مرکزیت کا یہ دوسرا ستون بھی گر جائے گا۔ حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات ہم سب کے لئے ایک عظیم سہارا تھی۔ آہ! کہ اب یہ سہارا بھی ٹوٹ گیا۔ اب ملک کے دوسرے حصوں کی طرح کراچی میں بھی سناٹا ہی سناٹا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات یوں تو پوری ملت کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے، لیکن احقر اور برادر محترم جناب مولانا محمد رفیع عثمانی مدظلہم کے لئے یہ ایسا ہی ذاتی نقصان ہے' جیسے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے قریبی اعزہ کے لئے۔ اس لئے کہ وہ ہم پر اس درجہ شفیق اور مہربان تھے کہ الفاظ کے ذریعہ ان کا بیان ممکن نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے بیس سال تک حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی صحبتیں عطا فرمائیں، صرف علمی محفلوں ہی میں نہیں، نجی مجلسوں اور سفر وحضر میں بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی معیت نصیب ہوئی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی شفقتوں

کا یہ عالم تھا کہ وہ ہماری کم سنی کا لحاظ کرتے ہوئے خود بھی بچوں میں بچے بن جاتے تھے۔

۱۹۶۵ء میں حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مشرقی پاکستان کا ایک ساتھ تبلیغی سفر کیا۔ یہ ناکارہ بھی ہمراہ تھا، سلہٹ میں ہمارا قیام مجد الدین مرحوم کے صاحبزادے محی السنۃ صاحب کے یہاں تھا۔ سلہٹ بڑا سرسبز وشاداب اور خوبصورت علاقہ ہے، لیکن یہاں پہنچنے کے بعد مسلسل علمی اور تبلیغی مجلسوں کا ایسا تانتا بندھا کہ جس کمرے میں آکر اترے تھے، وہاں سے باہر نکلنے کا موقع ہی نہ ملا' یہاں تک کہ . ب اگلے دن فجر کی نماز سے فارغ ہوئے تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اسی کمرے میں اپنے وظائف واوراد کے معمولات میں مشغول ہوگئے اور حضرت مولانا بنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے وظائف شروع کردیئے' میں اس انتظار میں تھا کہ ذرا مہلت ملے تو حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لے کر کہیں ہواخوری کے لئے باہر جاؤں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے میرا ارادہ بھانپ لیا اور خود ہی بلا کر پوچھا ''کیا باہر جانا چاہتے ہو؟'' مجھے مولانا نے بے تکلف بنایا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا: ''حضرت! ارادہ تو ہے، مگر آپ بھی تشریف لے چلیں تو بات ہے۔'' بس یہ سننا تھا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنے معمولات کو مختصر کر کے تیار ہوگئے اور خود ہی حضرت والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: ''ذرا میں تقی میاں کو سیر کرالاؤں۔'' چنانچہ باہر نکلے اور تقریباً گھنٹہ بھر تک مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس ناکارہ کے ساتھ کبھی چائے کے باغات میں، کبھی شہر کے اونچے اونچے ٹیلوں پر گھومتے رہے۔ سلہٹ کے علاقے میں نباتات اس کثرت سے پائی جاتی ہیں کہ ایک گز زمین بھی خشک تلاش کرنی مشکل تھی۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ جب کوئی خاص پودا دیکھتے تو اس کے بارے میں معلومات کا ایک دریا بہنا شروع ہوجاتا۔ اس پودے کا اردو میں یہ نام ہے، عربی میں یہ نام ہے۔ فارسی اور پشتو میں فلاں نام ہے اور اس کے یہ یہ خصائص ہیں' غرض یہ تفریح بھی ایک دلچسپ درس میں تبدیل ہوگئی۔

مجھے بعد میں خیال بھی ہوا کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے گھٹنوں میں تکلیف ہے، اور میں نے خواہ مخواہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو زحمت دی' چنانچہ میں نے کئی بار اپنی جسارت پر معذرت کی، لیکن مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہر بار یہ فرماتے کہ: مناظر قدرت اللہ کا بہت بڑا عطیہ ہیں اور انہیں دیکھ کر نشاط حاصل کرنے کا شوق انسان کا فطری تقاضا ہے۔ تمہاری وجہ سے میں بھی ان مناظر سے محظوظ ہوگیا، اور پھر جتنے دن سلہٹ میں رہے، روزانہ فجر کے بعد یہ معمول بن گیا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ سلہٹ کی یہ سیر تفریح کی تفریح ہوتی، اور درس کا درس ہوتا۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو معلوم تھا کہ احقر کو عربی ادب سے لگاؤ ہے' اس لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس دوران عربی ادب کے لطائف وظرائف بیان فرماتے۔ نادر اشعار سناتے۔ شعراء عرب کے درمیان محاکمہ فرماتے۔